مصنف: حافظ حامد محمود
ترتیب: ابوعبداللہ مون

یہ ہیں کلمہ گو طاغوت!!

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الحکم الجاھلیة یبغون– الآیة

ترجمہ: تو کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کے فیصلے کے خواہشمند ہیں حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اُن کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کوئی نہیں (المائدہ)

بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بُت گر ہیں
تھا ابراہیمؑ پدر اور پسر آزر ہیں

یاست سے لاتعلقی دین کا گمراہ کن تصور ہے۔

آسمان سے اوپر، زمین سے نیچے یا ملک سے باہر ہی کی بات کرنا دین انبیاءؑ کی نمائندگی نہیں۔ جاہلیت کی تاریکی چار سو پھیلی ہو اور زندگی کا ہر گوشہ طاغوت کے پنجہ میں گرفتار ہو تو ورثہ نبوت یہ نہیں ہوا کرتا کہ اہلِ توحید معاشرے کی روش سے اتفاق واختلاف کے سلسلے میں ''ذاتی رائے'' رکھنے پر اکتفاء کرتے ہوں۔ طاغوت سروں پر مسلط ہو تو خاموشی بھی ایمان باللہ کے حق میں جرم ہوجایا کرتی ہے۔ پھر اگر باطل کے لئے تاویلات کی تلاش اور درمیانی راہیں نکالنے کا چلن ہوجائے اور روئے باطل کی پردہ پوشی حق سے کی جانے لگے تو یہ جرم ایسا ہے کہ آج تک صرف بنی اسرائیل کا امتیاز بن سکا ہے۔

شرک سے براءت کا عقیدہ ایسا نہیں کہ کوئی انسان یہ کہہ کر جان چھڑالے کہ وہ بھی اسے اچھا نہیں سمجھتا یا دل سے قبول نہیں کرتا۔ طاغوت کوئی ''پرہیزی'' قسم کی چیز نہیں ہوا کرتی کہ صرف بے توجہی کا مستحق ہو۔ اس سے دشمنی وبراءت بھی کوئی نفلی عبادت نہیں، جس کا کرلینا صرف بلندی درجات کا سبب ہو۔

> اس آسمان کی چھت تلے طاغوت اللہ کا سب سے بڑا دشمن ہے اور عرشِ عظیم کے مالک سے ایمان ووفاداری کے ثبوت کے لئے بلند ترین آواز میں اللہ کے اس دشمن سے بغض وحقارت کا اظہار اور مسمار کردینے کا عزم ہی ایمان کا حصہ، نجات کا سبب اور انبیاء کا اہم ترین وبنیادی مشن ہے۔

ہماری یہ تحریر اس فرض کی جانب توجہ دلانے کے لئے ایک ادنیٰ سی کاوش ہے۔ کیا بعید کہ اللہ تعالیٰ اسے اہلِ توحید کے دل کی آواز بنادے۔

ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں کو ہماری باتیں دل کو لگنے میں ناکام ہوجائیں، تو یہ ہماری توقع کے عین مطابق ہوگا۔ شکست خوردہ انسانوں کی بھیڑ کو ایمانی عزت کا مفہوم سمجھانا اور عزیمت کی راہ پر گامزن کرنا کبھی آسان نہیں رہا۔ پستیوں میں بسنے والے بلندیوں کو سر کرنے کی بات کو ہلاکت اور تباہی کی دعوت قرار دیں تو یہ کبھی پہلے تعجب کی بات رہی ہے نہ اب۔

وہ بھائی جو اس تحریر کو مفید پاتے ہوئے پھیلانا چاہیں یا چھپا کر تقسیم کرنے کے خواہشمند ہوں تو ہم ان کے لئے مزید خیر کی توفیق کے لئے دعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں، حق بات سمجھنے کی، حق کو پھیلانے اور اس پر عمل کی توفیق

دے۔ (آمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلواۃ والسلام علیٰ رسول اللہ

ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ

اسلام کی ابتدا نماز روزہ سے نہیں' اس بات سے ہوتی ہے کہ انسان غیراللہ کی خدائی کا کھلم کھلا انکار کرے اور پھر اللہ کو تنہا معبود تسلیم کرتے ہوئے اس کی بندگی اور وفاداری کا دم بھرے۔ دینِ اسلام کا پہلا سبق یہی ہے۔ مگر اس ابتداء کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمان ہوتے وقت ایک بار یہ کارروائی عمل میں آجائے تو پھر باقی زندگی اسلام کے دیگر اعمال کرتے گزاری جائے اور اگر اسلام باپ دادا سے میراث میں پایا ہو تو یہ ایک بار کی شعوری گواہی بھی ضروری نہ رہے! اللہ کی وحدانیت کی یہ شہادت دراصل اسلام کی اساس ہے۔ اسی پر باقی عمارت کھڑی ہو تو وہ اسلام کی عمارت کہلائے گی۔ سو کسی فرد یا کسی تحریک کی نمازوں کو اسی بات کی شہادت ہونی چاہئے کہ خدائی غیراللہ کو سزاوار نہیں۔ اس کے روزے' زکوٰۃ اور حج انسانوں کی جباری کی نفی کرتے ہوئے اس بات کے گواہ ہوں کہ اطاعت وبندگی صرف عرشِ عظیم کے مالک کے لائق ہے۔ اس کی اذانیں اور مسجدیں اس بات کا مجسم اعلان ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم اور الٰہ نہیں۔ اس کی تکبیرات وتسبیحات اور اس کے ذکر واذکار غیراللہ کی کبریائی کے خلاف اعلانِ جنگ بن جائیں۔ وہ دعوت دے تو دنیا سے یہ تسلیم کرانے کے لئے کہ رب العالمین کے قانون کے سوا ہر نظام اور ہر قانون پاؤں تلے روند دیئے جانے کے قابل ہیں اور انسان کی جبین نیاز کا ہر سجدہ خالقِ کائنات کا حق ہے۔ وہ جہاد کرے تو جابروں کو سدھارنے اور دھرتی کو طاغوت سے پاک کرنے کے لئے۔ اس کا جینا بھی بت گرانے اور شرک مٹانے کی کوشش میں ہو اور اس کا مرنا بھی اللہ کا نام بلند کرنے کی خاطر۔ غرض اس کی ساری زندگی لا الٰہ الا اللہ کے اس مفہوم کی شہادت ہو تو عبادت کہلاتی ہے۔

اللہ کی بڑائی کا یہ اقرار تب تک کارآمد نہیں' جب تک اس کے شریکوں اور دنیا کے باطل خداؤں کو عداوت اور براءت کے پیغام نہ پہنچا دیئے جائیں۔ اللہ پر ایمان بھی تب ہی معتبر ہوگا' جب طاغوت سے کفر کرکے ساری زندگی اس سے دشمنی اور بیر رکھنے کا عہد کیا جائے۔ تب ہی اللہ سے دوستی ہوگی اور تب ہی وہ مضبوط آسمانی سہارا ہاتھ آئے گا جو نہ دنیا میں مرتے دم تک ساتھ چھوڑنے والا ہے اور نہ آخرت کی مشکل گھڑی میں۔

فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا

(البقرۃ ۲۵۶)

''اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے آیا' اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔''

مالک الملک کی کبریائی کی یہ شہادت خالی نفلی عبادت یا صرف بلندیٔ درجات کا سبب نہیں جس کا کرنا یا نہ کرنا آپ کی مرضی اور مزاج پر موقوف ہو! یہ ایمان کا بنیادی مسئلہ ہے اور ہر انسان کا فرضِ اولین۔ یہ امیر پر بھی فرض ہے اور غریب پر بھی۔ ایک مزدور اور کسان سے بھی اس کا وہی تقاضا ہے جو ایک سرمایہ دار اور زمیندار سے۔ ایک عالم اور دانشور بھی دنیا میں یہی شہادت دینے کے لئے پیدا ہوا ہے اور عامی اور معمولی حیثیت کا آدمی بھی۔ ہر وہ مخلوق جو انسان کہلاتی ہے اور عقل کی نعمت سے محروم نہیں' مرتے دم تک اس سے یہی شہادت مطلوب ہے۔ مرنے کے بعد بھی اس سے سوال کیا جائے گا تو یہی کہ اپنے رب اور اپنے دین کی بابت اس کی کیا شہادت رہی؟ اور کیوں نہ ہو؟ انسان کی تخلیق کا مقصود یہی ہے۔ بلکہ کائنات کی پیدائش کی غرض وغایت بھی یہی ہے اور دنیا وآخرت کی سب سے بڑی حقیقت بھی۔ یہ تو وہ شہادت ہے جو کائنات کا خالق خود دیتا ہے' اس کے فرشتے دیتے ہیں' زمین

وآسمان کے اندر علم رکھنے والی ہر ہستی یہی گواہی دیتی ہے۔

شھداللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم ان الدین عنداللہ الاسلام (آل عمران ۱۸-۱۹)

"اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہلِ علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی الٰہ نہیں ہے اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔"

رسولوں کے پے درپے قافلے یہی شہادت دلوانے کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون (الانبیاء ۲۵)

"ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں، پس تم میری ہی بندگی کرو۔"

آسمان وزمین اسی شہادت کے دم سے قائم ہیں۔ چاند، سورج اور ستارے، درخت، پہاڑ اور سب مخلوقات تنہا اس کے سامنے سجدہ ریز اور اسی کی وحدانیت کا اعلان کرتے ہیں۔ آسمانی کتابیں بھی یہی شہادت دینے آتی رہی ہیں۔ قرآن کی بار بار کی تکرار کا موضوع بھی یہی ایک ہے۔ قوموں پر تباہی وبربادی اسی کے انکار سے آتی رہی۔ حق وباطل کے معرکوں کا ہمیشہ یہی ایک عنوان رہا۔ انبیاء کی معصوم اور پرامن تلواریں ہر بار اسی مسئلہ پر بے نیام ہوئیں۔ جنت اور جہنم اسی تنازعہ کا فیصلہ کرنے کو وجود میں آئیں۔ قبر اور محشر کے ہولناک اندھیروں میں روشنی اسی شہادت کے بقدر نصیب ہوگی۔ پل صراط اسی شہادت کی صداقت پرکھنے کے لئے نصب ہوگی۔ قیامت کو لگنے والے ترازو اسی کے بار سے جھکیں گے۔ سب سے وزنی بات یہی ہے۔ بہترین دعوت یہی لا الہ الا اللہ ہے۔ افضل ترین ذکر یہی ہے۔ عرش والے تک وسیلہ اور سفارش کا ذریعہ یہی ہے۔ عروۃ الوثقیٰ اور دنیا وآخرت کا مضبوط ترین سہارا اس کے سوا کچھ نہیں۔ کفر واسلام میں فرق یہی ایک کلمہ ہے۔ خوش نصیب ہے جو اس کی حقیقت کو پالے۔ بدنصیب ہے وہ جو اسے اپنے وجود کی شناخت نہ بناسکے۔

اسلام بس لا الہ الا اللہ سے شروع ہو تو یہی نماز، جاہلیت کے لئے سوہانِ روح بن جایا کرتی ہے۔ یہی اذان ایک شیاطین جن ہی کو کیا شیاطین انس تک کو تکلیف دینے لگتی ہے۔ یہ مسجدیں اور محرابیں دشمنانِ اسلام کے دل میں کانٹے کی طرح چبھتی ہیں۔ تب قرآن کی آیات مؤمنوں کو اپنے زندہ مفہومات بخشتی ہیں اور طاغوتوں کے لئے موت کا پیغام بنتی ہیں۔ پھر کسی دعوت کو جاہلیت سے اعتراف اور رجسٹریشن کی امید رہتی ہے نہ جہاد کو سرپرستی کی توقع۔ اسلام اس عقیدہ پر قائم ہو تو نہ طاغوت کی قومیت دریافت کرنے کی احتیاج رہتی ہے کہ آیا وہ پاکستان سے تعلق کا شرف رکھتا ہے، ہندوستان کا باشندہ ہے یا انگلستان کا، نہ اس کا رنگ اور شجرۂ نسب پوچھا جاتا ہے کہ وہ گورا ہے یا کالا اور نہ اہلِ ایمان کو اس کی جنس جاننے سے دلچسپی رہتی ہے کہ اللہ کی خدائی میں شرکت کا دعویدار کوئی مرد ہے یا عورت! طاغوت میں یہ کالے گورے اور مذکر مؤنث کی تمیز وہی قوم کرتی ہے جس کے دین کی ابتدا لا الہ الا اللہ سے نہ ہوئی ہو یا پھر وہ "الٰہ" اور "ربوبیت" کا مطلب جاننے سے قاصر اور "عبادت" اور "دین" کے مفہومات سے ناآشنا ہو۔

دین اور الٰہ کا مفہوم درست کیجئے

قرآن تو اجتماعی زندگی میں "دین" اس نظام اور قانون کو کہتا ہے جو کسی قوم میں رائج ہو، جس پر اس کی سیاست ومعیشت اور تمدن استوار ہو اور جس پر اس کی عدالتوں میں فیصلے کئے جاتے ہوں۔ یہ نظام اگر اللہ کی کتاب اور اس کے

رسول ﷺ کی تعلیمات پر قائم ہو تو اس قوم کا "دین" اسلام ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ "دین الملک" ہے یا دین الجمہور' اسلام نہیں۔ سورہ یوسف (آیت ۷۶) میں ماکان لیاخذ اخاہ فی دین الملک کہہ کر قرآن نے مصر کے قانون کو بادشاہ کا دین قرار دیا۔ چنانچہ دین صرف وہ نہیں ہوتا جو کسی قوم کے مذہب اور دھرم کی کتابوں کے اندر بند پڑا ہو' بلکہ قرآن کی رو سے کسی ملک کا دین دراصل اس ملک کا قانون ہوتا ہے' چاہے پرائیویٹ اور انفرادی زندگی میں ان کا دھرم اور عقیدہ کچھ بھی ہو۔

پھر الٰہ اور معبود وہ ہے جو انسانوں کے لئے زندگی کے ضابطے اور قانون بنائے۔ رب وہ ہے جس سے مخلوق کو جائز اور ناجائز کے پیمانے صادر ہوتے ہوں۔ سو قرآن کی زبان میں کسی قوم کے قانون ساز اس کے ارباب اور معبود کہلاتے ہیں۔

ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن به الله (الشوریٰ ۲۱)

"کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے شریعت سازی کر رکھی ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔"

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون الله والمسیح ابن مریم وما امروا الا لیعبدوا الٰھا واحدا لا الٰه الا ھو سبحانه عما یشرکون (التوبۃ ۳۱)

"انہوں نے اپنے احبار ورہبان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح بن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کا حکم نہیں دیا گیا تھا' وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔"

پھر عبادت اور بندگی یہ ہے کہ کسی کے قانون پر چلا جائے اور اس سے حلال وحرام کے ضابطے اور جائز وناجائز کے پیمانے لئے جائیں۔ سو اللہ کے قانون پر چلنا اللہ کی عبادت ہے اور غیراللہ کے قانون پر چلنا غیراللہ کی بندگی۔ مسند احمد اور ترمذی میں روایت ہے کہ حضرت عدیؓ بن حاتم نے' جو پہلے عیسائی تھے' بوقتِ قبولِ اسلام اس امر کا انکار کیا (اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون الله) کہ "انہوں نے اپنے احبار اور رہبان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا تھا۔" تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ جواب دیا تھا:

بلی انھم حرموا علیھم الحلال واحلوا لھم الحرام فاتبعوھم فذٰلک عبادتھم ایاھم۔

"کیوں نہیں! وہ ان پر حلال کو حرام کرتے اور حرام کو حلال کرتے تو وہ تسلیم کر لیتے تھے۔ یہ ان کی عبادت ہی تو ہے۔" (تفسیر ابنِ کثیر)

سو قرآن اور رسولؐ کا یہی فیصلہ ہے کہ کسی کا قانون تسلیم کرنا دراصل اس کی عبادت ہے' اگرچہ اس کام کو عبادت اور بندگی کا نام نہ بھی دیا جائے۔ چاہے یہ کام کرنے والوں کو معلوم تک نہ ہو کہ بندگی اور عبادت یہی ہے' جیسا کہ عدیؓ بن حاتم کو معلوم نہ تھا۔ قرآن کی رو سے یہ بھی ضروری نہیں کہ کوئی انسان خدا کہلا کر ہی خدائی کے مرتبے پر فائز ہوتا ہو' جیسا کہ احبار ورہبان خدا نہ کہلاتے تھے مگر قرآن نے ان کو اربابا من دون الله کہا ہے۔ چنانچہ ہر وہ انسان جو انسانوں کے لئے قانون صادر کرنے کا حق رکھتا ہو' وہ اللہ کا شریک ہے۔ زمین کے جھوٹے خداؤں میں اس کا باقاعدہ شمار ہوگا' اگرچہ اس کا لقب فرعون نہ ہو اور اگرچہ وہ عوام کا نمائندہ یا عوام کا خدمتگار کہلاتا ہو۔

یہ عبادت اور الاہیت کے مفہوم درست نہ ہوئے تو بتوں کو پوجے جانے کے لئے صرف شکلیں بدلنی ہوں گی۔ دین کا مطلب واضح نہ ہوا تو گمراہیوں اور ضلالتوں کو صرف چولے

تبدیل کرنے پڑیں گے۔

توحید کو ماننے والے کہاں ہیں؟

اب ہمیں ان پاک طینت موحدین کی خدمت میں کچھ گزارشات کرنی ہیں جو اللہ کی وحدانیت کو اپنے وجود اور دعوت کی شناخت بنا کر نجات کے متلاشی ہیں، جو مہنگائی کی فکر سے بلند ہوکر یہ سوچنے پر آمادہ ہیں کہ بجٹ اور مزدوروں کی تنخواہ سے بڑھ کر بھی دنیا میں قوموں کے پریشان ہونے کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے، جو یہ ایمان رکھتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں روٹی کے نرخ کم کروانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے نہ سڑکیں اور گلیاں پکی کرانے کے لئے۔ جن کا یہ اعتقاد ہے کہ آسمانی صحیفے انسانوں کو نہ تو افراط زر سے ڈرانے کے لئے نازل ہوتے رہے ہیں اور نہ ہی قومی ترقی کی نوید دینے کے لئے، بلکہ پیغمبرانِ حق ہر زمانے کے انسانوں کو اپنے وقت اور اپنے ملک کے طاغوت سے کفر وعداوت کرانے اور اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ ایمان اور وابستگی استوار کرانے کے لئے آتے رہے ہیں اور یہ کہ آسمانی کتابوں کا اصل موضوع جہنم کا عذاب ہے یا آخرت کی نجات۔

ان خرد مندوں سے یہ بات اوجھل نہ ہوگی کہ ملک میں یہ خوف وہراس، بے چینی اور بدامنی و بے یقینی کے بڑھتے ہوئے سائے اور اس مار دھاڑ، قتل وغارت، غبن اور خرد برد کا خوفناک طوفان اس قوم کی بدقسمتی کا سبب نہیں صرف ایک مظہر ہے۔ اس کی علت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کا مالک اس سے ناراض ہے۔ اس قوم کی خوش بختی کی یہی ایک صورت ہے کہ یہ اللہ کے تمام شریکوں کا برسرِ عام انکار کرکے ہر اس بت کو پاش پاش کردینے کے لئے اٹھ کھڑی ہو جو اللہ کے ماسوا اس ملک میں پوجا جاتا ہے اور اپنی معاشی ابتری کا حل تلاش کرنے سے پہلے کتاب اللہ سے اپنا وہ فرض دریافت کرے جس کا ادا کرنا مادی ترقی ایسے کسی معجزے کے ساتھ مشروط نہ ہو۔ محمد ﷺ کو ہادی تسلیم کرلینے کے بعد کوئی قوم جس شدت سے اپنے مسائل کا حل کفار کے ہاں تلاش کرے گی اسی قدر اس کی منزل قریب آنے کے باوجود سراب بنتی چلی جائے گی۔

والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعة یحسبه الظمآن ماء حتیٰ اذا جاءہ لم یجدہ شیئا ووجد اللہ عندہ فوفاہ حسابه واللہ سریع الحساب (النور ۳۹)

”جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشت بے آب میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا، بلکہ وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔“

سو ہمارے مخاطب وہ حضرات ہیں جو یہ احساس رکھتے ہیں کہ ”معاشی“ اور ”سیاسی منزل“ یا ”آزادی“ ایسی اصطلاحیں امت محمد ﷺ کو زیب نہیں دیتیں۔ اس کی منزل ماسوا اس کے کچھ نہیں کہ الٰہی ہدایت کا دامن تھام کر یہ اندھیروں سے نکلے اور بھٹکتی انسانیت کو روشنی کی سمت لے کر چلے۔

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاؤھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات (البقرۃ ۲۵۷)

”اللہ مومنوں کا حامی و کارساز ہے، وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے حامی و کارساز طاغوت ہیں وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔“

قرآن کریم گھروں میں رکھ کر جو قوم خود اندھیروں کے تعاقب میں نکل کھڑی ہو، بدبختی کے سوا اس کا کوئی انجام ہونا ہی نہیں چاہئے تب اس پر لٹیرے مسلط ہوں یا وہ خود ایک

دوسرے کا گلا کاٹنے لگیں تو اس کا باعث قوم کی ناخواندگی یا سیاسی شعور کی کمی نہیں، یہ اللہ کے عذاب کی ایک صورت ہوا کرتی ہے۔

قل ھو القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض انظر کیف نصرف الآیات لعلھم یفقھون (الانعام:۶۵)

''کہو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کردے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کردے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کرکے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوا دے۔ دیکھو! ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کررہے ہیں شاید کہ یہ حقیقت کو سمجھ لیں۔''

ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا ونحشره یوم القیامة اعمی (طٰہٰ:۱۲۴)

''اور جو میرے ذکر (درس نصیحت) سے منہ موڑے گا اس کے لئے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔''

ان تمام مخلصین سے ہمیں دریافت کرنا ہے کہ آج کفر کو نیست ونابود کردینے میں اصل رکاوٹ اس کے سوا کیا ہے کہ باطل کا قبیح چہرہ اسلام کے پردے سے ڈھانپ دیا گیا ہے؟ آج فرزندانِ توحید کے ہاتھوں میں تیشے اس لئے دکھائی نہیں دیتے کہ معبودانِ باطل کو اسلام کی قبائیں زیب تن کرادی گئی ہیں۔ آج اللہ کے شریکوں تک نے کلمہ گوئی کی سند حاصل کرلی ہے اور باطل کا سرکاری نام حق رکھ دیا گیا ہے۔ چاہئے تو نہ تھا کہ آج باطل تہ تیغ ہونے سے اس لئے بچا رہتا کہ کفر نے اسلام کا روپ دھار لیا ہے اور استعمار نے اپنی شکل تبدیل کر رکھی ہے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ نصف صدی سے انہی ایوان ہائے شرک کا طواف ہوتا ہے اور کسی کو یہ احساس نہیں کہ اللہ کے عذاب کو برسرِ عام دعوت دی جارہی ہے۔

کیا ہمارے دین میں واقعتاً کوئی ایسا رخنہ ہے کہ کلمہ گوئی کے بعد ہر قسم کے شرک اور کفر کا کھلا پروانہ مل جاتا ہے؟ کیا واقعی کفر کو اسلام بن جانے کے لئے صرف تبدیلی نام کی ضرورت ہوا کرتی ہے؟ اور یوں نام اور شکلیں تبدیل ہوجائیں تو کفر اسلام بن جایا کرتا ہے، حرام حلال ہوجاتا ہے اور طاغوت ''اولی الامر'' کہلانے لگتے ہیں۔ اگر سود کو انسوٹمنٹ کا نام دے دیا جائے، جوئے کو انشورنس اور پرائز بانڈ کہہ لیا جائے، شراب کو جامِ حیات، فاحشاؤں کو فنکار وآرٹسٹ اور غیراللہ کی حاکمیت ایسے کھلے شرک کو اسلامی جمہوریت کا لقب دے دیا جائے تو کیا واقعی ہماری شریعت کے تقاضے بدل جاتے ہیں؟

ہمارے دین نے تو تلبیس کی اس روش کی صرف مذمت ہی نہیں پیشن گوئی تک کر رکھی ہے:

ذٰلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربا واحل اللہ البیع وحرم الربا (البقرہ:۲۷۵)

''یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام۔''

غلاظت کو خوبصورت الفاظ دینا اور حق کو باطل سے ملانا، یہ عین سنتِ یہود ہے۔ انہی نے سود کو تجارت کا نام دے کر اور کاروبار سے تشبیہ دے کر داعی برحق کو جھٹلانے کی کوشش کی تھی۔ انہی کی تاریخ اس فعلِ قبیح سے بھری ہوئی ہے۔

فبدل الذین ظلموا قولا غیرالذی قیل لھم.

آج انہی یہود کے پیروکار اور شاگرد ہمیں یہ بتانے آتے ہیں کہ قرآنی شوریٰ کا تصور تو جمہوری پارلیمنٹ سے ملتا جلتا ہے! ہمیں یہ سبق پڑھائے جاتے ہیں کہ ابراہیم لنکن کا دیا ہوا ووٹ کا تصور بھی تو ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کی طرح کی چیز ہے! اسلام کے نام پر بننے والے جاہلی اداروں میں دن رات یہ تلقین ہوتی ہے کہ اسلامی حقوق

وفرائض اور جمہوریت کی مادر پدر آزادیوں میں بس تھوڑا ہی فرق ہے! یہ انما البیع مثل الربوا صرف ایک جملہ نہیں جو قرآن نے نقل کردیا ہے، مذہبی فریب کاری اور نقب زنی کی تاریخ میں ایک باقاعدہ مذہب چلا آیا ہے۔ اس امت میں بھی اس شیطانی مذہب کا چلن ہونا تھا سو ہوگیا۔ خود رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی پیشین گوئی یہ کہہ کر فرمائی:

عن ابی مالک رضی اللہ عنہ انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول: لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونها بغیر اسمها، یعزف علی رؤوسهم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بهم الارض ویجعل منهم القردة والخنازیر (رواہ ابوداؤد)

"میری امت میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو شراب نوشی کریں گے مگر اسے نام کوئی اور دیں گے۔ ان کی محفلوں میں راگ چلیں گے اور گلوکارائیں گائیں گی اللہ ان کو زمین میں غرق کرے گا اور ان میں سے بندر اور سوئر بنائے گا۔"

دوہرے پیمانے

اہلِ خرد کے سامنے ہم یہ سوال رکھنا چاہتے ہیں کہ کیا کفر وہی ہوتا ہے جو کسی ہندو، عیسائی یا یہودی کے ہاتھوں سرزد ہو؟ اور اگر اللہ کی وہی بغاوت، وہی کفر اور وہی شرک "کلمہ" کی رسم ادا کرلینے کے بعد ہوتا رہے تو الٰہی اصولوں کو تبدیل ہوجانا پڑتا ہے۔ کیا کفر کی گالی کھانے کے لئے استعمار کا بنفسِ نفیس یہاں موجود ہونا ضروری ہے؟ یہ کافر استعمار خود موجود نہ ہو تو پھر اس کے جانشین خواہ اسی دین اور اسی قانون کے رکھوالے ہوں، بس مقامی نسل ہونے کے ناطے ان کا یہ حق ہوجاتا ہے کہ استعمار کے خلاف اٹھے ہوئے ہاتھ جہاں تنے وہیں رکے کے رکے رہ جائیں! طاغوت کے منصب پر کوئی اپنا بیٹھ جائے تو کیا شرعاً خیر سگالی فرض ہوجاتی ہے؟ تب تبدیلی لانے کی ہر اسکیم پر سرکاری منظوری کی شرط بھی عائد ہوجاتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو ماننا پڑے گا کہ ہمارے دین میں واقعی ایسا کوئی رخنہ موجود ہے اور اس میں نقب لگانے کی واقعی اتنی گنجائش ہے کہ وہ کام جو کفار مغرب کے ٹینک اور توپیں نہ کرسکیں، وہ یہاں کے "ظل اللہ" بیٹھے بٹھائے ازروئے شریعت کرلیا کریں! سو کیا فرزندانِ اسلام کو اپنی شرعی رعایا بنا رکھنے کے لئے شیاطینِ مغرب کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑے گی کہ ان ملکوں کی حکمران آسامیوں پر مقامی بھرتی کرلی جائے؟ تب ہمارے دین میں اس کفر سے برسرِ پیکار ہونے کے لئے کوئی دلیل باقی نہ رہے اور علماء یہ فتویٰ دینے لگیں کہ اب کلمہ خیر اور دعا کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اس باطل نظام کو عداوت کے پیغام دینا شریعت کی خلاف ورزی اور پیغمبر علیہ السلام کی حکم عدولی ہے؟

یہ دوہرے پیمانے رکھنے کا سبب کیا یہ تو نہیں کہ آج حق اور باطل کے اصل پیمانے چھپ گئے ہیں؟ حق وہ ہو جو اخباروں میں چھپے اور باطل وہ جو ہمارے دانشوروں کو برا لگے! شرک وتوحید کا فرق لوگوں کے عرف واصطلاحات کو دیکھ کر کیا جاتا ہو اور کفر واسلام کا تعین شناختی کارڈ سے ہوتا ہو۔ نہ کفر کی تعریف اللہ کی کتاب سے لی جاتی ہو اور نہ اسلام کی تعریف اس کے رسول سے پوچھی جاتی ہو۔ یہیں پر بس نہیں بلکہ وہی کفر جو مغرب کے نامہ سیاہ میں بھیانک نظر آتا ہو وہ "فرزندانِ اسلام" کے ہاں پہنچے تو عین اسلام کہلائے! ایک ہی بت کی پوجا یورپ میں کفر ہو اور یہاں درجات کی بلندی کا سبب! وہی جرم جس سے اقوامِ مغرب کو دوزخ کی وعید ملتی ہو وہ اس قوم کو رحمت کی نوید دے جایا کرے۔

اکفارکم خیر من اولئکم ام لکم براءة فی الزبر (القمر: ۴۳)

"کیا تمہارے کفر کرنے والے ان سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے آسمانی صحیفوں میں کوئی براءت نامہ لکھ دیا گیا ہے؟"

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول

اللہ ﷺ قال: لتتبعن سنن من قبلكم حذوا القلة بالقلة، حتى لو دخلوا جحر ضب لدخلتموه قالوا: يا رسول الله، اليهود والنصارى؟ قال فمن! متفق عليه.

''ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن راہوں پر تم سے پہلے چلے، ضرور تم بھی ان کے قدم بقدم چلو گے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں کوئی ضب (گوہ) کے بل میں گھسا ہوگا تو تم میں بھی ایسا کرنے والے ضرور ہوں گے۔ عرض کی گئی اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہود ونصاریٰ (کی راہیں) مراد ہیں؟ فرمایا تو اور کن کی؟''

وعن ثوبان رضى الله عنه ان رسول الله ﷺ قال: " لا تقوم الساعة حتى يلحق قبائل من امتى بالمشركين وحتى تعبد قبائل من امتى الاوثان." (رواه ابوداؤد وهو صحيح انظر عون المعبود).

''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت تب تک نہ آئے گی جب تک میری امت کے کچھ قبائل مشرکین سے نہ جاملیں اور جب تک میری امت کے کچھ قبائل بت نہ پوجنے لگیں۔''

پاک سرزمین کا نظام

لا الٰہ الا اللہ وہ کلمۂ توحید ہے جو شرک سے براءت کا اعلان کرتے وقت ادا کیا جاتا ہے۔ اس کا مدعا ومقصود ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ اہلِ علم کے ہاں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان اپنی باقی ماندہ زندگی شرک سے تائب اور توحید پر کاربند رہنے کی شہادت دے۔ مگر مرجیۂ (ایک گمراہ فرقہ) کا مذہب پھیل جانے کے باعث آج کلمہ کی ایک نرالی شکل دریافت ہوئی ہے۔ اس کلمہ کے بھی الفاظ تو وہی ہیں مگر یہ پڑھا اس وقت جاتا ہے جب شرک کرنے کا ارادہ ہو! اس کو ادا کئے بغیر انسان شرک وکفر کرلے تو جہنمی اور واجب القتل قرار دیا جائے مگر یہ ایسا منتر ہے جسے پڑھ لینے کے بعد نہ شرک نقصان دے، نہ کفر کرلینے سے کوئی فرق پڑے اور نہ انسان کے طاغوت بن جانے سے کوئی فتویٰ وجود میں آئے۔ اس کی مجرب افادیت کے پیشِ نظر اب یہ جلی حروف میں ان مزارات کے ماتھے پر لکھ دیا جاتا ہے جس کے اندر انسانوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ کسی قبر پر رکوع وسجود کرتے سرِ عام دیکھے جاسکتے ہیں۔ گویا یہ کلمہ جو ہر شرک کے لئے موت کا پیغام تھا اسی شرک کے لئے اب یہ بہترین تریاق ہے۔

فبدل الذين ظلموا قولا غير الذى قيل لهم.

حاکمِ اعلیٰ اور شرک

دستورِ پاکستان کی پیشانی پر اس کلمہ کا ترجمہ یوں لکھا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ حاکمِ اعلیٰ ہے۔'' مراد یہ ہے کہ کلمہ پڑھ لیا گیا اب آگے ہر قسم کے شرک کا راستہ صاف ہے۔ چنانچہ دستور کے اسی دیباچہ میں جہاں اللہ کو حاکمِ اعلیٰ کہا گیا ہے، تھوڑا آگے چل کر وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''پاکستان کا سیاسی ڈھانچہ جمہوری طرز کا ہوگا۔''

یہ شرک ضرور ہے مگر چونکہ کلمہ پڑھ کر کیا گیا ہے اس لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں! یہ بھی دیکھتے چلیں کہ حاکمِ اعلیٰ کے اس لفظ کی دستوری تفسیر کیا ہے؟ دستور اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ حاکمِ اعلیٰ ایک بے ضرر سا ''اعزازی عہدہ'' ہے جو نہ تو کسی کو جیل بھجوا سکتا ہے اور نہ ہی جیل سے چھڑا سکتا ہے۔ اس کی اتاری ہوئی آیت نہ تو کسی چور کا ہاتھ کٹوا سکتی ہے اور نہ سود کو ناجائز اور قابلِ مواخذہ قرار دے سکتی ہے۔ اس کا فرمان بہترین اخلاقی اپیل تو ہے مگر قانوناً نہ جوئے کو روک سکتا ہے اور نہ فحش فلموں کو۔ انسانی زندگی میں جائز وناجائز اور قانونی وغیرقانونی قرار دینا یہ ایک باقاعدہ اختیار ہے جو اس آئین میں ''حاکمِ اعلیٰ'' کو بہرحال حاصل نہیں اور نہ ہی یہ

بات طے کرنا اس کے رسول ﷺ کا کام ہے! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مذہب کے شعبے میں تو جائز وناجائز کے تعین کا پورا حق حاصل ہے مگر قانون کے شعبے میں نہیں (کیونکہ مذہب اور قانون اس شرکیہ نظام میں دو الگ الگ چیزیں ہیں!) قانون کے شعبے میں حلال وحرام کا تعین ''حاکمِ اعلیٰ'' کے رسول کا کام نہیں بلکہ دیباچہ دستور کی رو سے یہ حق اس کی مخلوق کے نمائندوں کو سزا وار ہے۔ شق کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

Wherein the state shall excercise its powers and authority tyrough the chosen representatives of the people.

بلکہ آئین کا آرٹیکل 4 یہ کہتا ہے کہ جرم اور سزا کا تعین صرف اور صرف ملک میں رائج قانون کرے گا یعنی یہ حق اللہ اور اس کے رسول کو نہیں کہ جرم وسزا کا تعین وہ کریں۔ اللہ اور اس کے رسول نے اگر کچھ کہنا ہی ہے تو وہ عوامی نمائندوں سے کہیں۔ صرف وہی اس بات کے مجاز ہیں کہ ''اگر وہ چاہیں تو'' اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قانون کا درجہ دے دیں، نہ مانیں تو اللہ اور اس کے رسول کی بات کی وہی حیثیت ہوگی جو کسی بھی انسان کی کسی بھی قانونی تجویز یا مطالبہ کی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ یہ حاکمِ اعلیٰ والی شق دستور کے دیباچہ میں ہے ضرور مگر اسے لے کر ایوان ہائے عدل میں چلے جانے کی کہیں گنجائش نہیں۔ سب سے پہلے یہ آئین اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر آپ تجربہ کرنے پر مصر ہوں تو بڑے شوق سے ایسا کرکے دیکھئے۔ آپ کو یہی جواب ملے گا کہ عدالتوں کو اس سے غرض نہیں کہ قرآن میں کیا آیا ہے یا حدیث میں کیا لکھا ہے؟ قرآن کی دلالت چاہے جتنی بھی قطعی اور واضح ہو اور حدیث کیسی بھی متواتر ہو آپ گھر بیٹھ کر اس کی تلاوت کریں یا مسجد میں جا کر لوگوں کو سنائیں مگر عدالت میں لا کر نہ اس کا تقدس پامال کریں اور نہ ججوں اور وکیلوں کا وقت برباد کریں۔ کیونکہ آئینی لحاظ سے اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

کون نہیں جانتا کہ ملک میں رائج قانون قرآن کی محکم آیات سے نہیں بلکہ انگریزی قانون کی کالی کتابوں سے لیا جاتا ہے؟ ایسا بھی نہیں کہ یہ بات آئین پاکستان سے متصادم ہو اور سب کی سب عدالتیں اس حاکم اعلیٰ والی آئینی شق کے خلاف چل رہی ہوں جیسا کہ فریب دیا جاتا ہے کہ دستور تو اسلامی ہے گڑبڑ صرف اس کے نافذ کرنے والے کرتے ہیں۔ اس کے برعکس دستور کی دفعہ (1) 268 کی عین یہی منشا ہے کہ قانون کتاب اللہ کی بجائے انگریزی دور کے صحیفوں سے لیا جائے گا۔ جتنا بھی فریب دیا جاتا رہے مگر اس بات سے کون لاعلم ہے کہ عدلیہ، مقننہ (قانون ساز اسمبلیاں) اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اور افراد اسی قانون پر عملدار آمد کا حلف اٹھاتے اور اسی سے وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔ قانون دان آپ کو یہی بتائیں گے کہ دستور پاکستان، اللہ کے حاکم اعلیٰ ہونے کا یہ مطلب کہیں نہیں لیتا کہ اس کی اتاری ہوئی آیات کو قانون کا درجہ حاصل ہے۔ یہ ویسا ہی ہے کہ اللہ الٰہ تو ہے مگر اس کو بندگی کرانے کا حق نہیں! چنانچہ دستور میں مذکور یہ حاکمیت اعلیٰ کسی قانونی اطاعت اور آئینی فرمانبرداری کو مستلزم نہیں۔ نہ یہ حاکم اعلیٰ والی شق غیراللہ کے قانون کو باطل اور غیراللہ کی اطاعت کو حرام قرار دیتی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ کر بھی غیراللہ کی بندگی کو حرام نہ سمجھا جائے۔ سو ملکی آئین میں اللہ حاکم اعلیٰ ضرور ہے مگر سیاست اور قانون کے ایوانوں میں امر و نہی اور تحلیل وتحریم کا اختیار اسے نہیں بلکہ اس ملک کے قانون ساز خداؤں کو ہے۔ رہا حاکم اعلیٰ تو اس کا حکم نہ تو پولیس کے لئے ہے نہ فوج کے لئے، نہ عدالتیں اس کے قانون اور اس کے نازل کردہ حلال وحرام پر فیصلے دینے کی دستوراً پابند ہیں نہ شعبہ ہائے زندگی کو چلانے والے سرکاری اداروں پر اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے سامنے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہنے کی کوئی آئینی پابندی ہے اور نہ تعلیمی اور نشریاتی شعبوں میں شرک والحاد کے سبق دینے پر کوئی قدغن۔ اس تمام تر شرک اور بغاوت کی کھلی

آئینی چھٹی کے باوجود اللہ تعالیٰ اس آئین کی رو سے ''حاکم اعلیٰ'' ہے!

اللہ کی حاکمیت کا یہ نسخہ بھی کیا خوب ہے جو سیاست کے ایوانوں کو شریعت محمدی کی غیر مشروط اطاعت اختیار کئے بغیر ہی اسلام کی سند دے دیتا ہے۔ شیطان نے سمجھادیا ہوگا کہ اگر برطانیہ کا بادشاہ امر و نہی کے ہر قانونی اختیار سے تہی دست ہونے کے باوجود تاج پہننے کا مجاز اور قانوناً واجب اطاعت نہ ہونے کے باوجود تخت شاہی پر متمکن ہے تو پاکستان میں حاکم اعلیٰ کی اسامی پر لفظوں کا کھیل کیوں ممکن نہیں! یہ بات آپ کو ناگوار گزرے تو ذرا دستور پاکستان کی قانون ساز مخلوقات کے آئینی اختیارات کا ایک نظر جائزہ لیجئے اور پھر فرمایئے برطانیہ میں بادشاہ اور پاکستان میں حاکم اعلیٰ کے اعزازی عہدے میں کیا فرق ہے؟ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون.

بنابریں یہ بات کسی خوش فہمی سے زیادہ نہیں کہ ملکی آئین نے اللہ کو ''حاکم اعلیٰ'' کہہ کر ایک بار زبان سے کلمہ ادا کردیا ہے اور اب معاملہ صرف عملی کوتاہی تک محدود ہے۔ کلمہ کے مطلب سے تو ادنیٰ ترین واقفیت رکھنے والے بھی بتاسکتے ہیں کہ حکم و آئین کے باب میں اللہ کو حاکم اعلیٰ کہہ دینے سے کام نہیں چلتا اس سے پہلے غیراللہ کی حاکمیت اور قانون سازی ایسے اختیار کی دوٹوک اور صاف صاف نفی ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کو حاکم ماننے کی بات معتبر ہوسکتی ہے۔ آج تاریخ کا چہرہ مسخ نہ کردیا گیا ہوتا تو یہ بات محتاج وضاحت نہ تھی کہ پرانی قومیں بھی اللہ کو معبود اعلیٰ کہنے سے انکاری نہ تھیں مسئلہ تو ہمیشہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کا رہا جن کا دعویٰ تھا کہ خداوند اعلیٰ نے انہیں خدائی کے کچھ اختیارات سونپ رکھے ہیں۔ خود انبیاءؑ کا جھگڑا ان بیچ کے خداؤں سے تھا سو غیراللہ کی بندگی اور اطاعت کی نفی پہلے ہو تو تب کلمہ ادا ہوتا ہے ورنہ حاکم اعلیٰ کا تصور تو کبھی باعث نزاع نہیں رہا۔

ء ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم وآباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطان ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (یوسف ۳۹-۴۰)

''کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کررہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی (دین قیم) ٹھیٹھ سیدھا طریق زندگی ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

یہ تو رہی غیراللہ کے حق تشریع و قانون سازی کے انکار اور نفی کی بات جو کہ کلمہ شہادت کا جزو اول ہونے کے ناطے ناگزیر ہے پھر جہاں تک اللہ کی حاکمیت کے اثبات کا تعلق ہے تو وہ اسی صورت میں قابل اعتبار ہے کہ اس کا فرمایا مستند اور اس کا کہا قانون تسلیم ہو۔ قانون دانوں سے پوچھیئے آپ کا دستور اس دوسری بات سے بھی انکاری ہے۔

اگر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو دستوراً ناقابل ترمیم ناقابل تعطیل اور ناقابل تنسیخ قانون اور ہر آئین سے بالاتر آئین نہ مانا جائے تو اس کی حاکمیت کا دعویٰ، کلمہ گوئی کی شرط تک پوری نہیں کرتا۔ اس کی شریعت کو غیر مشروط اور اٹل قانون ماننے بغیر اسے حاکم اعلیٰ کا خطاب دینا ایک لغو بات ہے...... اللہ کو رب ماننا مگر اس کے نازل شدہ حکم کو حتمی قانون کا درجہ نہ دینا، شعبہ سیاست کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کا دستوری طور پر پابند نہ ہونا مگر مذہبی طور پر آپ کو رسول ﷺ کہنا وہ بدترین مذاق ہے جو اس سیکولر ایوان میں پورے دستوری اہتمام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ آپ کسی کو جج تو کہیں مگر اسے کوئی فیصلہ کرنے کا حق

دینے پر تیار نہ ہوں دنیا میں آپ کسی سے یہ مذاق کرنے کے روادار نہیں تو پھر مالک الملک کے سامنے کس بنا پر یہ جرات کرلی جاتی ہے؟

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما (النساء:٦٥)

نہیں اے محمد ﷺ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی (تک) نہ محسوس کریں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔

کتاب وسنت کے مطابق قانون سازی!

جہاں تک آئین کی مشہور زمانہ دفعہ (A 227) کا تعلق ہے جس کا حوالہ جمہوری اسلام پسند حضرات اکثر دیا کرتے ہیں یعنی:

''موجودہ قوانین کو کتاب وسنت کی تعلیمات کی مطابقت میں لایا جائیگا اور کوئی قانون ان تعلیمات کے خلاف نہ بنایا جائے گا۔''

تو اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس دفعہ کے آجانے کے بعد اسلام اب اس ملک میں دھرم نہیں رہا بلکہ دین کی حیثیت اختیار کرگیا ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے خلاف اسلام قوانین اب یہاں کوڑی کے نہیں رہے تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ دستور میں ایسا سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر آپ یہ رائے رکھنے پر بضد ہیں تو قرآن کا کوئی بھی ایسا ثابت اور قطعی حکم ایوانہائے عدل میں پیش کر دیکھئے جو وقت کے رائج قانون سے متصادم ہو آپ کو یہی جواب ملے گا کہ آپ صرف اپنی من پسند دفعات دیکھنے کے عادی ہیں پورا دستور نہیں پڑھتے ورنہ دستور میں جابجا قانون ساز مجالس کا ذکر دیکھتے تو قطعاً اس خوش فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ اور نہیں تو صرف دفعہ (1) 268 دیکھ رکھی ہوتی تب بھی یہ شکایت نہ ہوسکتی تھی ذرا اس دفعہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے اور پھر دیکھئے کہ دفعہ 227 (A کا کیا مطلب رہ جاتا ہے۔

Except as provided by this Artical, all exisiting laws shall, subject to the constitution, continue in force, so far as applicable and with the necessary adaptation, until altered, repealed or amended by the appropriate ligislature.

ترجمہ: بجز جیسا کہ اس آرٹیکل میں قرار دیا گیا ہے تمام موجودہ قوانین اس دستور کے تابع جس حد تک قابل اطلاق ہوں اور ضروری تطبیق کے ساتھ اس وقت تک بدستور نافذ رہیں گے جب تک کہ مناسب مقننہ انہیں تبدیل یا منسوخ نہ کردے یا ان میں ترمیم نہ کردے۔ (ترجمہ از حکومت پاکستان وزارت عدل و پارلیمانی امور شعبہ عدل ص167)

دوسری بات یہ کہ (1) 227 کا یہ کہنا کہ کتاب وسنت کی تعلیمات کے خلاف کوئی قانون صادر نہ ہوگا ایک خوش کن اور امید افزا بات ضرور ہے مگر اس سے متصل بعد کی شق پڑھیں تو اس کا سارا مزہ کرکرا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ آرٹیکل (1) 227 میں مذکور اس خوشنما بات کی عملی تفسیر صرف اور صرف آرٹیکل 228 تا (4) 230 کی صورت میں کی جاسکتی ہے۔ اب ذرا (4) 230 کو پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ کسی قانون کے خلاف اسلام ہونے کا فتویٰ اسلامی نظریاتی کونسل کی مہر لگ کر بھی آجائے تو ایسا قانون پاس کرتے وقت پالیمنٹ یا صوبائی اسمبلیوں کو نظریاتی کونسل کی یہ رپورٹ مدنظر رکھنی ہوگی۔ غور فرمایئے...... صرف مدنظر رکھنی ہوگی! یعنی وہ

اسے ماننے یا نہ ماننے اس میں وہ پوری طرح آزاد ہے۔
جبکہ (3) 230 کی رو سے اسمبلیاں نظریاتی کونسل کے فتوی کا انتظار کیے بغیر بھی یہ قانون پاس کرسکتی ہیں۔ پاس ہوجانے کے بعد یہ قانون اگر نظریاتی کونسل کی نظر میں خلاف اسلام نکل آئے تو اس صورت میں صدر یا گورنر کو صرف اتنی زحمت کرنی ہوگی کہ اِس قانون پر نظر ثانی کرلیں۔ ملاحظہ فرمایئے..... نظر ثانی کرلیں! یعنی نظر ثانی کے بعد بھی اس خلاف اسلام قانون کا برقرار رہنا ٹھہر جائے تو اس کی پوری آزادی ہے۔ اب بتایئے (1) 227 سے جو امید افزا بات چلی تھی وہ (4) 230 تک پہنچ کر کیا سے کیا ہوگئی؟!

تیسری بات یہ کہ دستور میں جو (1) 227 کو لغو اور بے معنی کرنے کے جابجا انتظامات کئے گئے ہیں خود جمہوری اسلام پسند بھی اس سے ناواقف نہیں۔ ورنہ جہاں ملک کی اعلیٰ عدالتیں صدر مملکت تک کے خلاف آئین اقدامات کالعدم قرار دے دیتی ہیں وہاں ہمارے اسلام پسند بھی تو آئے روز پاس ہونے والے خلاف اسلام قوانین کو (1) 227 کا حوالہ دے کر چیلنج کرسکتے تھے کہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے خلاف قانون صادر ہونا آئین کی خلاف ورزی ہے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ جمہوری اسلام پسند حضرات ان ''اسلامی دفعات'' کے سب حوالے ان پڑھ عوام کے سامنے تو خوب دیتے ہیں مگر کسی کو یہ ہمت نہیں پڑتی کہ ان حوالوں کو لے کر عدالتوں میں جائے اور خلاف اسلام قوانین کو کالعدم کرائے؟ اب بھی اگر کسی کو یہ زعم ہے تو وہ اس آئینی خلاف ورزی کو چیلنج کرسکتا ہے سنا ہے عدالتیں آج کل آئین کی بالادستی قائم کرنے پر تلی ہوئی ہیں!

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ اس شق سے خلاف اسلام قانون کا راستہ بند ہوگیا ہے تو کیا خلاف اسلام دستور یا دستوری ترمیم کی بابت بھی کوئی ایسا بندوبست موجود ہے؟ چلئے قانون کی حد تک تو یہ مذاق کرلیا گیا۔ آئین پر تو ازراہ مذاق بھی خلاف اسلام ہونے کی صورت میں کوئی پابندی نہیں۔ اب جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ نظام پاکستان، پارلیمنٹ کو دو تہائی اکثریت سے کسی بھی بالاتر سند کے بغیر آئین میں اضافہ یا ترمیم کا مطلق العنان اختیار تفویض کرتا ہے (اور سب قوانین ایسے اختیار کے استعمال کی صورت میں بیک جنبش قلم تبدیل بھی ہوسکتے ہیں اور منسوخ بھی) تو اس حقیقت سے کون قانون دان انکار کرسکتا ہے کہ پاکستان کے چھوٹے خدا دو تہائی اکثریت سے حاکم اعلیٰ ہی کو معزول کرنے کا پورا پورا اختیار رکھتے ہیں؟ اس بات کو جھٹلانا ممکن نہیں کہ آئین کے آرٹیکل 238 کی رو سے پارلیمنٹ کو آئین میں اضافہ و ترمیم کا جو مطلق العنان اختیار حاصل ہے۔ حاکم اعلیٰ کی معزولی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یوں اخلاقاً وہ اس اختیار کو نہ برتے تو یہ اس کی مہربانی ورنہ اسے اس کا دستوری طور پر پورا حق حاصل ہے اسلامی قوانین پر خوش ہونے والے یہ تو بتائیں کہ ہندومت اسلام کب سے بنا ہے کہ دیوتاؤں کے تیور بدلنے پر آئیں تو برائے نام منصب سے بھی مہادیوتا کی چھٹی کروادیں؟

شرعی عدالت کا ڈھونگ

دستور میں وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ خلاف اسلام قوانین کا جائزہ لے اور ان کو اسلام کے مطابق تبدیل کرنے کے لئے دستوری طریق کار اپنائے!

قانون سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ قانونی زبان میں کوئی چیز ایک ہاتھ سے دیکر دوسرے ہاتھ سے لے لینا ایک آسان کام ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں دستور اپنی اس بڑھک کو کس انداز سے واپس لیتا ہے۔

1. آرٹیکل 203 B(c) کی رو سے مندرجہ ذیل قوانین وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے ویسے ہی باہر ہیں۔ لہٰذا ان مقدس صحیفوں کی طرف شرعی عدالت آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی:

1- آئین پاکستان (جو کہ مخلوق کے اختیارات کی مستند دستاویز ہے)
2- مسلم عائلی قوانین

3- عدالتی طریقہ ہائے کار
4- مالیاتی قوانین (جن میں سود، لاٹری اور پرائز بانڈ سب حلال ہیں)
5- ٹیکس وفیس قوانین، اور
6- بینکاری و بیمہ انشورنس کے طریق ہائے کار

بتایئے شرعی عدالت کے پاس کیا بچا جسے غیر اسلامی قرار دے کر اس نظام کی کلمہ گوئی کا بھرم رکھ سکے؟ یہ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی کہے کہ میں کلمہ تو پڑھتا ہوں مگر فلاں فلاں شعبے میرے ہاں اللہ اور اس کے رسول کی شریعت سے مستثنیٰ ہوں گے اور ان تمام شعبوں میں وہ غیر اللہ کی ہدایت پر چلنے کا مجاز ہوگا!

2- اس کے بعد بھی اگر نظام شرک کے مفادات پر زد پڑنے کی کوئی گنجائش رہ گئی ہو تو اس کا سدباب کرنے کے لئے آئین کہتا ہے کہ آرٹیکل 203 D(2) Priviso کی اور آرٹیکل 203 F کی رو سے شرعی عدالت کا ہر فیصلہ سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جاسکتا ہے جہاں وہ تبدیل بھی ہوسکتا ہے اور منسوخ بھی۔ اس بات کے بے شمار عملی مظاہرے آئے روز دیکھنے میں آتے ہیں۔ نواز شریف دور میں سود کے خلاف شرعی عدالت کا فیصلہ سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کا واقعہ اب بھی اکثر لوگوں کو یاد ہوگا۔

بتایئے اسلام پسندوں کے ہاتھ آیا تو کیا؟!

اگر سود کے خلاف شرعی عدالت کا فیصلہ واقعی اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی تھا اور کون نہیں جانتا کہ اللہ نے سود حرام کر رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو چیلنج کرنا کیا واضح ترین شرک اور ارتداد نہیں؟ مگر کیا یہ کفر صرف نواز شریف کے نامہ سیاہ تک محدود ہے جس نے اللہ کا یہ حکم چیلنج کیا تھا یا فساد کی اصل جڑ وہ آئین ہے جو ایک طرف اسے چیلنج کرنے کا اختیار دیتا ہے اور دوسری طرف سپریم کورٹ کو یہ حکم منسوخ کرنے کا۔ اس بات پر اگر نواز شریف دشمن اسلام ٹھہرتا ہے تو اس نظام اور دستور کے لئے آپ کیا تجویز کرتے ہیں جو اللہ کے خلاف اس طرح کی ہر بغاوت میں سند کے طور پر کام آتا ہے؟

یہ تو تھی مختصر وضاحت ان دفعات کی جو پاکستان کی جمہوریت کو اسلامی ثابت کرنے کے لئے سند کے طور پر پیش کی جاتیں ہیں۔ انہیں کے بل بوتے پر یہ فرمادیا جاتا ہے کہ جمہوریت شرک تو ہے، مگر وہ مغربی جمہوریت ہے جوکہ حاکمیت اور فرمانروائی کا حق جمہور یا نمائندگان جمہور کو تفویض کرتی ہے۔ جبکہ ہماری جمہوریت کلمہ پڑھ چکی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو ''حاکمِ اعلیٰ'' تسلیم کرلیا گیا ہے۔ دلیل کے طور پر ان دفعات کا حوالہ دیا جاتا ہے، جن پر ہم نے گذشتہ صفحات میں بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ حاکمیت اور حق تشریع (قانون سازی) لازم و ملزوم ہیں۔ حاکم آپ اللہ کو مانیں مگر قانون غیر اللہ کا ہو، شرک یہی ہے۔ جب تک یہ فرق باقی ہے شرک بھی باقی رہے گا، تاآنکہ مذہب کے حلال و حرام خودبخود قانون کے حلال وحرام تصور نہ ہونے لگیں۔ مذہب کے حلال وحرام جب تک قانون کے حلال وحرام کا درجہ پانے کے لئے کسی انسان کی مرضی اور منشا کے محتاج رہیں گے تب تک نہ ایسا ''مذہب'' دین اسلام کہلا سکے گا اور نہ ہی دنیا و آخرت میں ایسا ''کلمہ'' کوئی کام دے گا۔

اس باب میں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ وہ انسان جس کی مرضی پر اللہ کی شریعت کو قانون کا درجہ دینا یا نہ دینا دستوراً موقوف ہو وہ اللہ کا ہمسر کہلاتا ہے پچھلے صفحات کی بحث سے یہ تو واضح ہوجانا چاہیے کہ پاکستان کے سیاسی شعبے میں اللہ کی ہمسر وہ ہستیاں ہیں جو قانون سازی کا حق رکھتی ہیں۔ اب ہم آپ کو ان ہستیوں کے خدائی اختیارات کی کچھ تفصیل بتاتے ہیں:

ذیل میں آپ جو حقائق پڑھیں گے وہ صرف اور صرف ان اختیارات سے متعلق ہیں جو آئین کی رو سے فی الواقع ثابت ہیں۔ رہا اختیارات کا ناجائز استعمال اور آئین کی حدود سے تجاوزات کا معاملہ تو وہ ہر نظام میں ناپسندیدہ ہونے کے باوجود ممکن ہے۔ نظام اسلامی ہو تو بھی فسق وفجور کا امکان ختم نہیں ہوجاتا اور اگر مشرکانہ ہو تب بھی انسانوں کی غیر آئینی دست برد اور لاقانونیت سے محفوظ نہیں ہوتا۔

چونکہ اختیارات کے ناجائز استعمال کی وجہ سے نہ اسلامی نظام غیر اسلامی ہوجاتا ہے (خوارج کے مذہب کے برعکس) اور نہ غیر اسلامی نظام کا حکم بدل کر کچھ اور بنتا ہے اس لیے

اختیارات کی بدعنوانی سرے سے ہمارا موضوع نہیں۔ ہم صرف ان خدائی اختیارات کی نشاندہی کریں گے جو قانونی بے قاعدگی کے زمرے میں بہر طور نہیں آتے بلکہ آئینی اور دستوری طور پر ان کو باقاعدہ تسلیم کیا جاتا ہے اور جب دستوراً تسلیم کیا جاتا ہے تو اس شرک کو عملی کوتاہی کا نام دینا سوائے جہالت یا فریب کاری کے اور کچھ نہیں۔

اب جہاں تک قانون سازی (legislation) کے ان مطلق اختیارات (absolute powers) کا تعلق ہے تو پاکستان کا جمہوری دستور ان سے بھرا پڑا ہے۔ اس کے لیے کوئی ایک آدھ دفعہ نہیں بلکہ دستوری ابواب تک مختص ہیں خصوصاً:

- (Legislative procedure) قانون سازی کا پروسیجر (آرٹیکل ۷۰ تا ۷۷)
- (Financial procedure) مالیاتی پروسیجر
- (President's and Governor's Ordinance) صدر اور گورنروں کے آرڈیننس (آرٹیکل ۱۴۱ تا ۱۴۴)
- (Amendment of Cnstitution) دستور کی ترمیم سازی (آرٹیکل ۲۳۸، ۲۳۹)
- (Powers of President) صدر کے اختیارات (آرٹیکل ۲۶۷)
- (Consurrent list, legislative list) مقننہ کے دائرہ اختیارات میں آنے والے امور (Forth Schedual) وغیرہ وغیرہ۔

یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ ان طاغوتوں کو جن امور میں قانون سازی کا حق حاصل ہے آئین کے Forth Schedual میں، 'Legislative lists' خاص کر Concurrent list کی رو سے ان میں صرف By Laws ہی نہیں (جن کا نام لے کر مسلمانوں کو گمراہ کیا جاتا ہے کہ کیا ٹریفک قوانین بھی قرآن وحدیث سے لئے جائیں گے) بلکہ زندگی موت کے تمام معاملات پر مشتمل تعزیراتی، مالیاتی، سیاسی، اقتصادی، سماجی، تہذیبی، تعلیمی اور بین الاقوامی قوانین سمیت سب ہی نظام آتے ہیں اور یہ ساری قانون سازی بلکہ دستور سازی اللہ کے نازل کردہ احکامات کی کسی بالاتر سند کی براہ راست پابند نہیں کہ آپ مقننہ سے استفسار کرسکیں کہ یہ حکم آپ نے کس آیت یا حدیث سے لیا ہے؟ اگر قانون دان پورے دستور میں کسی ایسی بالاتر سند کی نشاندہی کرسکیں تو ہمارے علم میں اضافہ ہوگا۔

ملکی دستور میں عوامی نمائندوں کے یہ اختیارات دیکھ کر آپ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ پاکستان کی پارلیمنٹ کو بعینہ وہی اختیارات حاصل ہیں جو دنیا کی کسی بھی جمہوریت میں پارلیمنٹ کے لئے مختص ہوا کرتے ہیں۔ دستور کے ان تمام مذکورہ ابواب اور دفعات کی تفصیل تو یہاں ممکن نہیں البتہ اس کے صرف ایک باب (Legislative Procedure) قانون سازی کا پروسیجر (آرٹیکل 70 تا 77) کے عملی اطلاق کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

فرض کیجئے کسی اسلام پسند ممبر نے پارلیمنٹ میں کوئی بل پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ اس بل کے ذریعے سود کو قانوناً ناجائز قرار دلوانا چاہتا ہے، آیئے دیکھتے ہیں آئین کے Legislative Procedure کی رو سے اس بل کو کفر کے کتنے مراحل سے گزرنا ہوگا۔

قانون دانوں کو اس سے ہرگز انکار نہ ہوگا۔

(ا) پہلا کفر تو یہ ہے کہ جو قانون چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا اور اللہ کی طرف سے محمد ﷺ پر نازل ہونا ہی اس کے قانون ہونے کی دلیل تھا، اور اس کے نازل ہونے سے اگلے لمحے اسے بطور قانون ماننے میں تھوڑی سی پس وپیش بھی ایسا واضح ترین کفر تھی کہ اس میں شک کرنیوالا بھی کافر ہوتا اور عمرؓ کی تلوار کسی بھی آئینی پروسیجر کا انتظار کیئے بغیر بجلی کی سی تیزی سے چل جاتی۔ اس قانون کو پاکستان کا نظام سرے سے قانون ہی تسلیم نہیں کرتا۔ ظاہر ہے اگر اسے قانون مانتا ہو تو بل کس چیز کا پیش کیا جائے؟ اب ذرا ان ''اسلام پسندوں'' کے بارے میں بھی عمرؓ کی تلوار کی رائے معلوم کریں جو اللہ کے حکم کو ایک ایسے بل کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جو ابھی تو نہیں، تب قانون بنے گا جب پارلیمنٹ منظور کرے گی۔

(۲) چلئے قرآن کی ایک آیت کی یہ حیثیت تو نہیں کہ اسے قانون تصور کیا جائے اور یوں اس کا بل کی صورت میں ہی ایوان سرکار میں پیش ہونا ٹھہر گیا ہے تو کم از کم اتنی مہربانی تو ہو کہ اسے ایوان کے منتخب رکن کی تحریک کی بغیر ہی دربار میں حاضری کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ سو اگر منتخب رکن کے علاوہ دیگر کوئی آدمی اللہ کے حکم کو ایک بل کی سی ذلت سے پیش کرنا چاہے تو آئین کی نظر میں یہ کفر صرف منتخب ممبر ہی کرسکتا ہے۔ ان کے ہاں اللہ کے حکم کی یہ حیثیت کہاں کہ وہ ممبر کی سفارش کے بغیر ایوان میں گھسا چلا آئے، آخر ایوان کے تقدس کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں! اب :ب یہی ممبر بازار حسن کا ایک مطالبہ بھی بل کی صورت میں پیش کرسکتا ہے اور اللہ کے حکم کا بل بھی تو بتایئے شریعت کی کیا الگ خصوصیت رہی؟

(۳) سود کی حرمت کو قانون کی سند دلانے کے لئے جو یہ بل پیش ہوا ہے، اگر ہاؤس کے ضابطۂ کار (Procedure) کے مطابق ہے اور خلاف آئین بھی نہیں ہے تو ایوان میں بحث کے لئے منظور ہوجائے گا اور اگر یہ بل دستور یا ایوان کے ضابطۂ کار کے مطابق نہ ہو تو یہ بل کے درجے کو بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ نتیجتاً اس پر بحث تک نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں ایوان اس پر بات تک کرنا پسند نہیں کرتا (سابقہ بینظیر دور میں ایک ''غیرت مند اسلام پسند'' نے جب عورت کی حکمرانی کے خلاف تحریک پیش کی تھی تو اسے یہ جواب ملا تھا کہ زبان بند رکھو، یہ تحریکِ آئین کے خلاف ہے) بتایئے کفر نام ہے جس کا وہ کیا ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں ''زیادۃ فی الکفر'' کی دو باتیں خاص طور پر ملاحظہ ہوں:

ا- کیا فرماتے ہیں علمائے دین دستور اور ایوان کے ضابطہ کار نامی اس چیز کے بارے میں کہ قرآن اور حدیث کو جس کے مطابق ہونا ضروری ہو؟ اور اگر اللہ یا اس کے رسولؐ نے ان کے مطابق نہ ہونے کی جرأت کرلی تو ان کی بات سننے تک کے قابل نہیں اور خلاف ضابطہ قرار دے دی جائے گی؟

تف ہے تمہارے آئین پر، تمہارے ایوان پر، اس کے تقدس پر اور اس کے ضابطۂ کار پر۔ اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ۔

(ب) اگر قرآن اور حدیث کی قسمت اچھی نکل آئی اور اسے دستور اور ایوان کی ضابطۂ کار Procedure کے مطابق ثابت کردیا گیا (ایسا ثابت کرنے والے کا ایمان بھی ملاحظہ فرمائیں) اور پھر اسپیکر یا چیئرمین نے یہ رولنگ دینے کی مہربانی بھی کردی تو ذرا سوچئے کیا ہوگا؟ شریعت بحث کے لئے منظور ہوجائے گی، جبکہ ابھی شریعت کے امتحان اور بھی ہیں! یہ امتحان کلیئر کرکے شریعت یہ دیکھے جانے کے قابل ہوجائے گی کہ آیا یہ قانون بننے کی اہلیت رکھتی ہے یا نہیں؟ بتایئے اس ایوان کے کفر میں شک کرنے والے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں اور اگر اس ایوان میں بیٹھنے والے ''اسلام پسند'' یہ ذلت کی گھڑیاں اسلام کے نام پر وصول کرتے ہیں اور عرش سے اترے ہوئے دین کو اس گھٹیا ایوان میں اپنے ساتھ ذلت کی بھیک منگواتے ہیں، تو ان کے لئے آپ کے ایمان کی غیرت کیا سزا تجویز کرتی ہے؟ یہ آپ کا بھی امتحان ہے!؟

(۴) اب ایوان میں بحث شروع ہوجائے گی۔ اس بات پر کہ زمین وآسمان کے مالک کی بات کو قانون کا رتبہ دیا جائے یا نہ؟

ایوان کے تقدس کے سلسلے میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آئین کے Legislative erudecor میں کہیں بھی کوئی اشارہ تک نہیں کہ کوئی ''اسلامی'' بل پیش ہو تو صرف کلمہ گو ممبران ہی اس پر رائے زنی کرنے کی مجاز ہوں گے۔ اس لئے جب یہ بحث شروع ہوجائے گی تو ویسے تو ''مسلمان'' ممبران کی بھی بھانت بھانت کی کفریہ بولیاں سننے کو ملیں گی تاہم اللہ کے نام پر دراز اس کاسہ گدائی میں خیرات کے چند ٹکے ڈالنے کے مسئلے پر جے سالک بھی اظہار خیال فرمائیں گے، بہرام ڈی آواری بھی ''دلائل'' دے گا اور ہندو، قادیانی ودیگر اقلیتی کافر بھی لاف زنی کرسکیں گے۔ یہ بحث ارکان کی نوک جھونک، پھبتیوں، چٹکلوں اور بیت بازی کے ساتھ مہینہ بھر چلتی رہے یا اس سے زیادہ طول پکڑ جائے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہرحال قوم کو ہر روز ایوان کی کارروائی کی

جھلکیاں اخبارات میں پڑھنے کو ملتی رہیں گی۔ کہیئے جناب کیا یہ خوض فی آیات اللہ نہیں ہے؟

(ملاحظہ ہو سورۃ المعارج ۴۲، سورۃ الزخرف ۸۳، سورۃ الانعام ۶۹)

(۵) ''معزز ارکان'' اللہ کے حکم کے بارے میں اپنی اپنی ''ناقص رائے'' کے اظہارِ خیال سے فارغ ہوچکیں تو ایوان میں رائے شماری Voting کا مرحلہ پیش ہوگا۔ شریعت کے لئے یہ وقت سب سے کٹھن ہے۔ اس کی آبرو رہ جانے کے لئے ضروری ہے کہ ارکان کی نصف سے اوپر تعداد اسے قانون کے ضابطوں (Acts) میں کہیں داخلہ دلا دیں۔ لیکن اگر میجارٹی کی نظر میں شریعت Qualify نہ کرسکی تو اسے سر نیچا کرکے ایوان سے نکلنا ہوگا اور مسجد ہی میں قیام کرنا ہوگا۔

الا لعنة الله على الظالمين الذين يصدون عن سبيل الله ويبغونها عوجا وهم بالآخرة كافرون اولئك لم يكونوا معجزين في الارض (ہود: ۱۸-۲۰)

ترجمہ: ''سنو! خدا کی لعنت ہے ظالموں پر......ان ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت سے انکار کرتے ہیں وہ زمین میں اللہ کو بے بس کرنے والے نہ تھے۔''

اس میں جو کفر ہے وہ تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم کفر در کفر یہ ہے کہ ارکان کی رائے شماری جو کہ بحث کے بعد ہوگی تو اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ وہ اللہ کے حکم سے جاہل تھے...... اگرچہ سود کی حرمت ضروریاتِ دین میں سے ہے اور اس میں لاعلمی ویسے ہی عذر نہیں...... تو بھی اب بحث کے بعد اور خصوصاً نظریاتی کونسل کی مہر لگے، فتویٰ کے بعد ایوان لاعلم نہ رہا کہ قرآن میں یہ حکم کس وعید کے ساتھ آیا ہے؟ اس کے بعد بھی ایوان کو اس پر ووٹ کا حق ہونا اس نظام کا واضح ترین کفر ہے اور اللہ سے کھلی کھلی بغاوت کا اعلان۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ تاریخ میں آج تک صرف فرعون نے ہی انا ربکم الاعلیٰ کہا تھا؟ اگر ارکان کی سادہ اکثریت کا ایک اشارہ اللہ کے ثابت ومعلوم حکم کو مسترد کردینے کا واضح ترین انداز میں مجاز ہے اور کون نہیں جانتا کہ ایسا ہے...... تو بتایئے ربکم الاعلیٰ کون ہے؟ اللہ یا ایوانِ سیاست کے خدا؟ (ا)

(۶) لیجئے شریعت کی آبرو رہ گئی اور ایوان نے بل پاس کردیا۔ مبارک ہو بس اب تھوڑی سی ''پیچیدگی'' باقی ہے! بل پاس تو ہوگیا ہے مگر (آرٹیکل ۷۰ کی رو سے) قانون تو یہ تب بنے گا جب دوسرا ایوان بھی اسے پاس کردے گا۔ اتنی خواری کے بعد شریعت کا ابھی آدھا کام ہوا ہے۔ سو حاکمِ اعلیٰ کے نام سے جو درخواست آئی تھی، اس کی فائل پہلے ایوان نے دوسرے ایوان کو ریفر کردی ہے۔ اللہ خیر کرے! دیکھئے اب کیا بنتا ہے؟

(۷) اگر دوسرے ایوان کے خداؤں کی منظوری حاصل کرنے میں شریعت فیل ہوجاتی ہے...... چاہے تو صاف مسترد کردی جائے اور نہ پاس کی جائے...... تو موخر الذکر صورت میں ۹۰ روز تک اللہ کا عذاب ہی آئے تو آئے اور کچھ نہیں ہوسکے گا۔ قصہ کوتاہ دوسرا ایوان بھی حکم اللہ کے ساتھ وہی سلوک کرنے کا مجاز ہے اور یوں وہ بھی اتنا ہی ''مقدس'' ہے۔

(۸) نامراد واپس آنے کے بعد یہ بل پھر پہلے ایوان کی نظرِ ثانی کا حاجت مند ہوگا۔ اب یہ ایوان اس پر کوئی اقدام نہ کرے تو یہ بل خود بخود اپنی موت آپ مرجائے گا اور...... شریعت کا کام نہ بن سکے گا۔ تاہم اگر پہلے ایوان کی ابھی تک رائے نہ بدلی ہو اور وہ شریعت کے اس حکم کو قانون بنانے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرتا تو اس کی فائل دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں بحث کے لئے صدرِ مملکت کو بھیج سکتا ہے۔ جس کے موصول ہونے پر صدر دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس طلب کرے گا جس میں پھر سے بحث شروع ہوگی اور ایک بار پھر ''خوض فی آیات اللہ'' کا مظاہرہ شروع ہوگا۔ یہ شریعت کی آخری اپیل ہوگی جس کے بعد بات نہ بننے کی صورت میں فائل ہمیشہ کے لئے خارج کردی جائے گی۔ اب جب ہر شخص جانتا ہے کہ دونوں ایوانوں کا یہ جوائنٹ سیشن اس ملک کی آخری اتھارٹی ہے، قانون اور حرف آخر وہی ہے جو یہ ایوان صادر کردیں...... کیا کوئی ماہرِ قانون اسے جھٹلا سکتا ہے...... کہ آئینی طور پر اس کی انکار کو دنیا کی کوئی طاقت

اقرار میں نہیں بدل سکتی؟ بتایئے انسانوں کی زبان میں Sovereign اس کے علاوہ اور کیا ہوا کرتا ہے؟ اور یہ نہیں تو "ربکم الاعلیٰ" کونسا آئینی عہدہ ہے۔

(۹) ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آئین کی دفعہ ۷۰ اور ۷۱ کی رو سے بل پیش ہونے کے بعد پہلے ایوان میں یا پھر دوسرے ایوان میں یا دونوں کے مشترکہ اجلاس میں کہیں بھی اور کسی ایک مرحلہ میں اس بل میں ترمیم کردی جائے اور ہر ایوان کے ہر سیشن اور پھر مشترکہ سیشن میں ترمیمات در ترمیمات کردی جائیں اور اس طرح جب دودھ میں پانی ڈال کرلسی کی مطلوبہ کثافت حاصل کرلی جائے تو ان تمام ترمیمات کے ساتھ ایوان کی دیوی اسلام پر مہربان ہوجائے اور زہے نصیب جو بل پاس ہوجائے تو اس طریقہ سے بھی اسلام آجائے گا۔ ان ترمیمات کی نوعیت کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً سود کے بارے میں کوئی Amount مقرر کردی جائے کہ اس سے کم پر ممنوع اور اس سے زائد پہ ممانعت نہ ہوگی یا خاص مدوں پر سود ہوگا۔ دوسری اس سے مستثنیٰ ہوگی یا گورنمنٹ اور پرائیویٹ سیکٹروں کی تقسیم عمل میں آجائے یا خاص معاملات میں خاص نسبت سے زیادہ کی ممانعت ہوجائے۔ غرض ہزار صورتیں ہوسکتی ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ بل خواہ مسترد ہو یا ترمیمات کے ساتھ پاس ہوجائے یہ اسلام پسند ارکان اسے قانون ماننے کے بہر صورت پابند ہوں گے۔ کیونکہ آئین میں ان کی رکنیت اس وقت شمار ہوتی ہے جب وہ حلف اٹھا کر Solemnly قسم کھاتا ہے کہ وہ پاکستان کے آئین اور مجالس قانون ساز سے صادر شدہ قانون کا نہ صرف احترام کرے گا بلکہ "To the best of his bility" اس کی اطاعت اور اسی کی وفاداری نبھائے گا!

(۱۰) اگرچہ اس Legislative Procedure میں اور بے شمار مراحل نکل سکتے ہیں کہ ہر مرحلہ میں "زیادۃ فی الکفر" ہوتا ہی جائے۔ قصہ کوتاہ ہم اس امکان کو دیکھتے ہیں جہاں ان اسلام پسندوں کے تخیل کی پرواز ختم ہوجاتی ہے۔ لیجئے ایوانوں نے بل پاس کر ہی دیا۔ اب یہ قبولیت کی آخری منزل پانے کے لئے ایوان صدر کی سمت بلند ہوجائے گا۔

اس ایک حکم پر جس کی منظوری میں اتنا عرصہ لگ گیا۔ دین کے باقی احکام کی منظوری قیاس کر لیجئے اور اس میں جتنی صدیاں درکار ہوں گی اس وقت تک کیا ویسے ہی قیامت نہ آجائے گی کہ فرشتے خود ہی ان کی کھالیں ادھیڑ کے اللہ کا حکم ان پر نافذ کردیں! وہ لوگ جن کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے اور اللہ کی عظمت، کبریائی، بے پرواہی، جبروت و ملکوت السمٰوٰت والارض پر غیر متزلزل ایمان کو نجات کی واحد امید سمجھتے ہیں، ان کے لئے اس سلسلے میں صرف دو نکات کا ذکر ہی کافی ہے:

(الف) اختیارات کی دست درازی ملاحظہ ہو جس میں اللہ کے ایک حکم کو نافذ ہونے کے لئے آزمائشوں کی سینکڑوں بھٹیوں سے گزرنا اور اصول وضوابط کے اتنے مراحل طے کرنا ہوتے ہیں۔ کوڑی کے انسانوں کی یہ مجال کب سے ہوگئی کہ مالک الملک کے حکم کو منظور کرتے پھریں! وہ اسلام جو آسمان سے نازل ہوا ہے اسے منظور نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا جاتا ہے۔ پھر اسی اسلام میں منظوری دینے کی بات تو بڑی جرأت ہے جو سر یوں خم نہ ہو اسے تن پر نہیں رہنے دیا جاتا۔ بلکہ اس سے بھی پہلے جو اسلام اللہ کے ہاں معتبر ہے اس میں داخل ہی اس وقت ہوا جاتا ہے جب اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے سامنے اپنے اور پارلیمنٹ سمیت تمام مخلوقات کے ہر قسم کے اختیار کی واضح ترین نفی نہ کردی جائے اور اگر کوئی اس انداز سے اللہ کے دین میں داخل نہیں ہوا ہے تو...... اگرچہ وہ اس کا نام اسلام رکھتا پھرے...... اللہ کے دین میں نہیں کسی شیطان کے دین میں داخل ہوا ہے۔ پھر اگر کوئی اسلام لانے کے بعد بھی مخلوق کے کسی ایسے معمولی سے معمولی اختیار کا اقرار کرلیتا ہے تو وہ اسی شیطان کے دین میں چلا جاتا ہے۔

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا
(الاحزاب ۳۶)

"کسی مؤمن کے لئے...... چاہے وہ مرد ہو یا

عورت...... یہ ناممکن ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ کوئی بات کردے پھر ان کے لئے کسی بھی اختیار کی گنجائش رہ جائے۔"

کجا یہ کہ ایسے بے شمار کافر ترین اختیارات کو آئین بنادیا جائے، ہر ممبر سے اس پر حلفاً قسم لی جائے اور اس کی اطاعت، پابندی اور وفاداری کو پاکستان کی دھرتی پر بسنے والے ہر شہری کا فرضِ اوّلین قرار دے دیا جائے اور اس کے خلاف کسی بھی قسم کی بغاوت سنگین ترین جرم قرار پائے۔

اللہ کی کسی مخلوق کو اس کی شریعت کی منظوری کے اختیار ایسا جرم تو آسمان تک لرزا دینے کو کافی ہے۔ یہاں تک کہ کوئی انسان اللہ کی اطاعت بجا لاتے ہوئے دل میں کوئی تنگی پاتا ہو تو اسے اس آیت پر ٹھہرنا چاہئے جس میں اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے ایمان کی نفی کرتا ہے۔

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (النساء:٦٥)

"نہیں، اے محمد ﷺ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی (تنگ) نہ محسوس کریں بلکہ سر بسر تسلیم کرلیں۔"

علمائے سلف نے جو فرائضِ اسلام بیان کیے ہیں۔ ان کے بموجب آدمی یہ اعتقاد رکھنے سے مرتد ہوجاتا ہے کہ کوئی بھی انسان رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے کسی بھی حکم کی اطاعت وفرمانبرداری نہ کرنے کا مجاز ہے۔ یہ تو ایک اختیار کی بات ہے۔ بتائیے ایسے سینکڑوں اختیارات پر مبنی آئین کے احترام سے اسلام کیسے باقی رہ جائے گا؟

(ب) **Legislative Procedure** ہی کی رو سے پارلیمنٹ مذکورہ طریق کار کے مطابق کسی بھی قانون کو تبدیل کرسکتی ہے۔ کوئی قانون دان اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ ان قابل تبدیل و ترمیم قوانین میں "اسلامی" قوانین بھی آتے ہیں اس لئے پارلیمنٹ نے جو یہ ابھی "اسلامی" قانون منظور کیا ہے یہ قابل تنسیخ ہے، چاہے ایسا عمل میں آئے یا نہ آئے پارلیمنٹ کا یہ حق بہرحال محفوظ رہتا ہے۔ اب پارلیمنٹ نے جو قانون پاس کیا ہے وہ اگر شریعت ہے تو بتائیے نبی آخر الزمان کی تاقیامت شریعت کو منسوخ کرنے کا آئینی حق رکھنے والا کون ہوتا ہے؟ اور اس کے لئے یہ تسلیم کرلینے کے بعد شریعت میں کیا حکم ہے......؟

دین اور نظام مملکت کی تقسیم ...... سیکولرازم

سیکولرازم اس پوری دنیا میں رائج خبیث ترین کفر ہے۔ ہمارے ہاں اسے عموماً کمیونزم کا ہم معنی وہم وزن خیال کرکے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ کوئی خدا کا منکر نظریہ ہوگا جبکہ یہ دنیا کا ایک ایسا انوکھا کفر ہے جو مذہب کا انکار کرنے کی بجائے نہ صرف اسے انسان کی ضرورت تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کے احترام کا بھی بھرپور طور پر قائل ہے۔ دین کے اس احترام کی خاطر کہ یہ لوگوں کے لئے بوجھ نہ بن جائے، تصادم کا سبب بھی نہ بنے اور دنیاداری میں پڑ کر بے آبرو بھی نہ ہو۔ صرف اتنی جسارت کرتا ہے کہ دین کا مناسب مقام متعین ہوجائے جو ویسے تو مسجد گرجا یا مندر ہے تاہم سوسائٹی میں بھی اسے ایک پرائیوٹ مسئلہ کے طور پر قبول کرلیا جاتا ہے۔ یوں سیکولرازم دین کو بڑے احترام سے انفرادی زندگی کی نکیل ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ سیکولرازم میں کسی بھی ملک میں رائج دھرم کے تہواروں، رسم و رواج اور شادی بیاہ ایسے طور طریقوں کا آئینی طور پر بھرپور احترام کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثریتی مذہب کو بعض اوقات اگر یہ حق بھی دے دیا جائے کہ صدر یا وزیر اعظم اکثریتی مذہب سے ہوگا اوقاف، عبادت خانوں کی تعمیر و تدبیر اور اس کی روحانی کتابوں کی طباعت کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے، اخباروں میں دینی صفحہ اور ریڈیو، ٹی وی پر روحانی پروگرام "بصیرت" وغیرہ تک کا بڑی عقیدت سے اہتمام ہوتا ہو مگر نظام مملکت اور کاروبار حیات میں دین کا دخل نہ ہو تو سمجھ لیجئے وہاں سیکولرازم کا راج ہے۔ نتیجتاً اس نظام میں اللہ کو

اجتماعی نظام زندگی سے باہر اللہ اور معبود مانا جاتا ہے رہا سیاست اور اسٹیبلشمنٹ کے میدان میں تو "لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ."

اچھے بھلوں کے لئے ابھی تک یہ معمہ ہے کہ پاکستان میں دین کو سیاست سے کیسے بے دخل کیا جاسکتا ہے۔ نہ جانے اتنی سادہ بات سمجھنی مشکل کیوں ہوگئی کہ جب آئین و نظام سازی پر عملاً حق پارلیمنٹ کا تسلیم کرلیا جائے تو پھر مساجد اور تقریبات کو سجانے کے سوا معاشرے میں دین کا کوئی مصرف ہی نہیں رہتا۔ رہا نظام و قانون کا معاملہ تو جب اصولاً یہ طے ہوجائے کہ قانون وہ کہلائے گا جو پارلیمنٹ پاس کرے، تو پھر قانون کا رتبہ پانے کے لئے شریعت کا نہ تو اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہونا کافی ہوا، نہ جبریل کا لے کر آنا اور نہ محمد ﷺ کا ابلاغ و بیان فرمانا، نہ قرآن میں بیان ہونا اور نہ بخاری اور مسلم میں روایت ہونا۔ یہ سب کچھ سر آنکھوں پر ہونے کے باوجود پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر قانون کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ پھر جب یہ حق پارلیمنٹ کا تسلیم کرلیا جائے تو وہ قرآن کی ایک آیت کو بھی قانون کا ویسا ہی درجہ عطا کرسکتی ہے جیسا فلم انڈسٹری کی ایک فاحشہ کے مطالبے کو۔

یوں پارلیمنٹ کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اس کی اور قرآن کی قانونی پوزیشن اس نظام میں ایک سی ہوتی ہے۔ قانون دان "تکلف" سے کام نہ لیں تو اس سے انکار نہیں کرسکتے۔ اسی کفر کو امر کرنے کے لئے آئین کے بنیادی حقوق کا باب سیکولرازم کے اس مشہور و معروف عقیدے کا ہوبہو عکاس ہے کہ کسی انسان پر اگر کوئی پابندی ہوسکتی ہے تو وہ قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہے، اس کے باہر ہر انسان کو ہر معاملے میں آزادی کی ضمانت اس کا بنیادی حق ہے۔ اس بنا پر حقوق و فرائض (آپ بے تکلف ہونا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں حلال و حرام) قانون کی نظر میں وہ ہوں گے جو آئین اور قانون خود مقرر کردے۔ پھر آئین کا آرٹیکل 4 سیکولرازم کے اس بنیادی فلسفے کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے کہ جرم اور سزا کا تعین صرف اس ملک میں رائج قانون کرے گا، یوں اللہ اور رسول ﷺ جو بھی کہتے رہیں جرم صرف وہ ہوگا جسے مروجہ قانون جرم کہتا ہو اور سزا بھی صرف وہی اور اتنی ہی روا ہوگی جو یہ قانون مقرر کرے گا......

مزید وضاحت کے لئے چند مثالیں:

(۱) ہر محلے اور گلی کے اندر آپ نے ہندومت اور سفلہ پن کی تعلیم دینے والی پاکستانی اور انڈین فلموں کے اڈے تو ضرور دیکھ رکھے ہوں گے۔ ان میں غیر قانونی فلمیں جانے دیجئے، صرف ایسی فلمیں نکال لیجئے جو غلیظ اور برہنہ تو ضرور ہوں مگر سنسر قوانین سے جواز کی باقاعدہ سند یافتہ ہوں۔ "سادہ لوحی" میں آکر اگر آپ ہلاکت اور عذاب کو دعوت دینے والے اس گھناؤنے جرم کو پاکستان کی کسی عدالت میں چیلنج کرنا چاہیں تو آپ کو کیا جواب ملے گا......؟ یہی نا کہ دین میں یہ جرم ضرور ہوگا مگر قانون کی نظر میں جرم نہیں! پھر دین اور نظام و قانون جدا جدا ہوئے نا! بتایئے اور کافری کیا ہے......؟ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

(۲) پاکستان میں کسی جگہ اگر کوئی بااثر مذہبی آدمی غلاظت سے لتھڑی ہوئی ان لچر فلموں کو بزور بند کرانے کی کوشش کرے تو کیا آپ کو معلوم ہے کہ آئین کے آرٹیکل 4 کی نظر میں اس نے پاپ کیا ہے؟ اس کا پاپ یہ ہے کہ جس چیز سے آئین اور قانون نے منع نہیں کیا ویڈیو سنٹر مالکان کو اس "جائز" کام سے منع کرکے اور **Wrongful confinement** کا مرتکب ہو کے اس نے قانون کا "تقدس" پامال کیا ہے؟ اسی طرح کوئی بااختیار افسر "مذہبی شوق" میں آکے فحاشی پھیلانے والے سینما گھروں کے، سنسر قوانین کی رو سے، ایک "جائز اور قانونی حق" کے استعمال میں رکاوٹ بنے تو قانون کے آرٹیکل 4 ہی کے بموجب "معزز" شہریوں کو ہراساں کرنے اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے جرم میں قانون اسے مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کرے گا۔ کون نہیں جانتا کہ ان معاملات میں قرآن کی آیات نہیں، قانون کی دفعات معتبر ہیں؟ ذرا سوچ کے بتایئے کہ پاکستان میں قرآن کا مسجد کے علاوہ کیا

مناسب مقام رہ جاتا ہے؟

(۳) پاکستان کے نظام میں شراب حرام ہے مگر سود حلال! اس کی وجہ......؟ ہر دین کے حلال و حرام اپنے ہوتے ہیں۔ جی ہاں! قرآن مجید نے قانون اور نظام کو دین قرار دیا ہے۔ بادشاہ مصر کے قانون کو اللہ نے دین الملک (بادشاہ مصر کا دین) کہا ہے: "ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک" یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دین (قانون) کی رو سے بھائی کو اپنے پاس نہ رکھ سکتے تھے۔ سو پاکستان کے دین الملک کے حلال و حرام اگر کبھی اسلام کے حلال و حرام سے متفق یا مختلف ہوجائیں تو یہ محض اتفاق ہوگا۔ دراصل کسی بھی نظام یا دین کی تفصیلات اور جزئیات کی اپنی کوئی بھی حیثیت نہیں ہوتی کہ اس بنیاد پر ہم اس سے اپنے دین کی موافقت یا مخالفت تلاش کرتے پھریں یا اس میں کچھ جزئیات کو نکالنے یا کچھ کو شامل کرانے پر ضد کریں۔ دنیا کا ہر نظام کچھ نہ کچھ جزئیات میں کسی دوسرے نظام سے متفق ہوا ہی کرتا ہے۔ اصل میں نظام اور دین کے اندر دیکھا یہ جاتا ہے کہ چلتی کس کی ہے اور قانوناً یہ حیثیت کس کی ہے کہ روک دے تو رکنا پڑے اور حکم کیا اشارہ بھی کرے تو اسے قانون مانا جائے۔ اگر پاکستان میں ایسا اختیار صرف اللہ کا ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی کوئی اس کا شریک نہیں تو یہاں اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں لیکن اگر یہ حق صرف اس کا نہیں تو اس میں جو جو اللہ کے ساتھ شریک ہوتا ہے وہ اس نظام کا معبود ہے اور اس آسمان تلے بدترین مخلوق ان معبودوں کی آسامیوں کے لئے آپ داڑھی والوں کا انتخاب کریں یا ٹخنوں سے اونچی شلوار والوں کا، اس سے کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔

ہر آدمی، قبل اس کے کہ اسے موت آلے اور فرشتے سوال کرلیں کہ بتا تیرا دین کیا تھا، اچھی طرح سمجھ لے کہ وہ جس نظام کے سائے میں زندگی بسر کررہا ہے وہ اللہ کا دین ہے یا دین الملک۔

ایک مفسر قرآن فرماتے ہیں:

"طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو اپنے جائز حق سے تجاوز کرگیا ہو قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کا نام فسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہوکر یا خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہوکر اس کے ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو۔" (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱۹۶)

یہ واضح ہوجانا بھی ضروری ہے کہ پارلیمنٹ جو اس ملک کا سب سے بڑا طاغوت ہے وہ اسلام آباد کی کسی بلڈنگ کا نام نہیں، بلکہ انسانوں کے ایک مجموعہ سے عبارت ہے۔ یہ سب انسان اس دھرتی کے طاغوت ہیں۔ دھرتی پر سب سے بھاری بوجھ یہی ہیں۔ دین (اطاعت و بندگی اور وفاداری) اللہ کیلئے خالص نہیں ہوسکتا جب تک ان سے صاف صاف کفر نہ کردیا جائے، چاہے مشرکین کو یہ بات کتنی بھی ناگوار گزرے اور ملت ابراہیم پہ چلنے والوں کے اس واشگاف اعلان سے دنیا کے بتکدوں میں جو بھی ردعمل ہو۔

ومن یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفه نفسه (البقرہ ۱۳۰)

"کون ہے" جو ابراہیمؑ کی راہ سے علیحدگی اختیار کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کرلیا ہو، (اس کے سوا کون یہ حرکت کرسکتا ہے؟)